عصر حاضر میں عدالتی خلع کا مسئلہ ،مالکی نقطہ نظر اور آیت کریمہ الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ سے استدلال

Judicial Khul‘ in Pakistan, Mālikī Fiqh, and a Reappraisal of Qur’ān 2:237

محمد احمد منیر*

Abstract

This article argues that the judicial authority to issue *khul*‘ decrees complies with the principles of the *sharī‘ah*, although it is issued without the husband’s consent. The judicial exercise of *ijtihād* in *khul*‘ is based on an interpretation of the relevant texts from the *Qur’ān* and *ḥadīth* and is similar to the position held by the Mālikī school. Detractors from this view often cite verse 237 of Surat al-Baqarah, which states, “the one in whose hand is the marriage contract,” to argue that a husband must approve of a *khul*‘ before it is executed. This article argues that this verse has multiple interpretations, one of which allows a judge to issue divorce on behalf of the husband. Hence, a court has the full authority to dissolve a marriage. The same opinion has been adopted in the Pakistani *khul*‘ law. This interpretation addresses a moral dilemma often faced by Pakistani women. Some Ḥanafī ‘ulamā’ have suggested that judicial *khul*‘ is invalid and that a woman remains married to her initial husband. When she enters a second marriage, this is considered an extramarital relationship. By adopting the Mālikī opinion and considering judicial *khul*‘ as *faskh* (annulment), the objection of the Ḥanafī *‘ulamā’* can be rebutted. This approach will free women from the dilemma of worldly guilt and fear of punishment on the Day of Judgement.

Keywords: *Khul*‘, *Mubārāt*, Divorce, *Faskh*, Consent of the Husband, Marriage Contract.

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فقہ و قانون، اِدارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مقدمہ:

پاکستان میں عورتوں کے لیے بذریعہ عدالت طلاق حاصل کرنے کے لیے مسلم قانون تنسیخ نکاح ۱۹۳۹ء (DMMA) موجود ہے۔[1] اس قانون میں ان تمام صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں عورت کے حقوق متاثر ہونے یا مرد کی طرف سے ظلم وزیادتی کی صورت میں اسے بذریعہ عدالت خاوند سے طلاق حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ البتہ اس قانون میں ایسی کوئی واضح شق موجود نہیں تھی کہ عورت صرف اور صرف ناپسندیدگی کی بنیاد پر مرد سے خلع حاصل کر سکے۔ جب کہ حدیث میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ خلع بھی نکاح کو ختم کرنے کا ایک قانونی اور شرعی طریقہ ہے۔ قانون میں اس خلا کو پہلے عدالت عالیہ لاہور نے بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام نامی مقدمے میں ۱۹۵۹ء میں یہ فیصلہ دے کر پُر کیا کہ اگر عدالت کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میاں بیوی حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے ایک ساتھ نہیں رہ سکتے اور خاوند طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو ایسی صورت میں عورت کو بذریعہ عدالت خلع کا حق حاصل ہے اور یہ حق خاوند کی رضامندی پر منحصر نہیں۔[2] اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے خورشید بی بی بنام بابو محمد امین نامی مقدمے میں حتمی طور پر یہ اصول طے کر دیا کہ عدالت کو حکمین کی معاونت یا اس کے بغیر بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عورت کے حق میں خلع کی ڈگری جاری کرے۔ البتہ خلع کی صورت میں عورت کو اپنا حق مہر واپس کرنا ہو گا جیسا کہ قرآن کریم کا حکم ہے۔[3] اگلے کئی سال تک ان عدالتی نظیروں کی روشنی میں ماتحت عدالتیں خلع کی ڈگریاں جاری کرتی رہیں، البتہ ۲۰۰۲ء میں فیملی کورٹ ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے عدالت کو باقاعدہ یہ اختیار دے دیا گیا کہ اگر عورت صلح پر راضی نہ ہو تو عدالت مرد کو حق مہر کی واپسی یقینی بناتے ہوئے عورت کو خلع کی ڈگری جاری کر دے اور اس کے لیے عورت کو کسی ثبوت یا اپنے حق میں کوئی گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔[4]

---

[1] Section 2, Dissolution of Muslim Marriages Act (VIII of) 1939. اس سیکشن کی دفعہ ۱۰ جو یہ کہتی ہے کہ کوئی بھی ایسی وجہ جسے عدالت شریعت اسلامیہ کے تحت تنسیخ نکاح کے لیے جائز وجہ تصور کرے، اس نے آگے چل کر عدالتوں کے لیے خلع کی ڈگری جارے کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

[2] بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام قریشی، (لاہور: پی ایل ڈی، ۱۹۵۹ء)، ۵۶۶

[3] خورشید بی بی بنام بابو محمد امین، پی ایل ڈی ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، ۹۷

[4] Proviso added to section 10 (4) of the Family Courts Act 1964 through the Ordinance

۲۰۰۲ء کے اس قانون کی عبارت کچھ اس طرح ترتیب پا گئی کہ پہلے سے موجود DMMA ناقابل عمل ہو کر رہ گیا اور ایسی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے ظلم و زیادتی یا جائز حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کرتی تھیں، اور ان کے پاس اپنے اس دعویٰ کے حق میں کافی اور مضبوط ثبوت بھی موجود ہوتے تھے، عدالت قانون کی عبارت کی وجہ سے انہیں بھی حق مہر واپس کرتے ہوئے زبردستی خلع کی ڈگری جاری کر دیتی تھی۔[۵] اس سقم کو پنجاب حکومت نے ۲۰۱۵ء میں سب سے پہلے ایک اور قانونی ترمیم کے ذریعے درست کیا گیا۔[۶] اس قانون سازی اور اس میں ترمیم کے دوران ایک نکتہ جو اہل علم کے ہاں کافی زیر بحث رہا وہ قرآن کریم کی ایک آیت کا حصہ الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ[۷] ہے۔ جس کا ایک مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ نکاح کی گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ اس مفہوم کی بنیاد پر بعض علما اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ خلع کے لیے خاوند کا راضی ہونا ضروری ہے اور کسی دوسرے شخص بمع کسی قاضی یا عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کی طرف سے خلع کا انعقاد کرے۔

اسی تناظر میں پاکستان میں رائج قانون خلع کو غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے جس سے ایسی عورتیں جو عدالت کے ذریعے خلع کی ڈگری حاصل کر کے کہیں اور نکاح کر چکی ہوتی ہیں ان کے لیے ایک شرعی اور اخلاقی مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو ان عورتوں کے لیے اخلاقی مخمصے کا باعث بنتا ہے کہ کیا وہ اپنے سابقہ شوہروں کی بیویاں ہوتے ہوئے ایک ایسے رشتے میں رہ رہی ہیں جو شریعت کی رو سے جائز نہیں اور خدانخواستہ زنا کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ اسی طرح وہ مرد جنہوں نے ایسی عورتوں سے شادیاں کر رکھی ہیں وہ خدانخواستہ دوسروں کی بیویوں سے تعلق جوڑے ہوئے ہیں۔ ان خدشات کا حل قرآن و سنّت کی روشنی میں تلاش کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ

LV of 2002. See also Muhammad Zubair Abbasi, "Development of Women's Right to No-fault Judicial Divorce (*Khul'*) in Pakistan: Judges and 'Ulamā' as Catalysts for Legal Reform" *Islamic Studies* 61:2 (2022), 171-73.

[5] Muhammad Ahmad Munir, "Development of *Khul'* Law: Legal, Judicial and Interpretive Trends in Pakistan" (PhD Diss., McGill University, 2020), 126-127.

محمد کامران بنام مسماۃ سمیرہ مجید وغیرہ، وائی ایل آر ۲۰۱۸ء، لاہور، ۱۲۵۱

[۶] فیملی کورٹ ایکٹ کے سیکشن ۱۰ میں ذیلی دفعہ ۵ کا اضافہ کیا گیا۔ Family Courts (Amendment) Act 2015 (XI of 2015), دیکھیے۔ http://punjablaws.gov.pk/laws/177.html#_ftn37

[۷] البقرۃ: ۲۳۷

قانون خلع از روئے شریعت کیا ہے؟ اور کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے؟ تاکہ قارئین کے لیے دَورِ حاضر کے اجتہادات کی روشنی میں قانون خلع میں کی گئی ترامیم کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے سکون سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا[۸]

"اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس جاکر سکون حاصل کرو۔"

کسی ظاہری یا باطنی امر کی بنا پر جب زوجین اس سکون کو قائم رکھنے میں مکمل طور پر ناکام ہو جائیں تو ایسی صورت میں شریعت مطہرہ نے مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔

خلع کیا ہے اور کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہے؟

لفظ خلع کا معنی ہے (اتارنا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ[۹] (اپنے جوتے اتار دو) اسی معنی کی مناسبت سے میاں بیوی کے درمیان واقع ہونے والی ایک خاص قسم کی جدائی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چوں کہ میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ[۱۰] "وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو" چنانچہ زوجین اپنا یہ لباس خلع کے ذریعے اتار دیتے ہیں اس لیے اسے خلع کہا جاتا ہے۔"

علامہ شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) لکھتے ہیں کہ ازدواجی رشتہ ختم کرنے کے لیے یہ لفظ "خا" کے ضمہ کے ساتھ جب کہ باقی مقامات پر "خا" کے فتحہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ خلع کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے ہو

---

[۸] الروم: ۲۱

[۹] طٰہٰ: ۱۲

[۱۰] التوبہ: ۱۸۷

ازالة ملک النکاح المتوقفة علی قبولها ،بلفظ الخلع او مافی معناه"[11] "لفظ خلع یا اس کے ہم معنی لفظ کے ذریعے ملکیت نکاح ختم کرنے کو خلع کہتے ہیں جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے۔"

اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ جب عورت خاوند کے سامنے خلع کے لیے مالی معاوضہ پیش کر دے اور وہ اسی مجلس میں لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ سے خلع کر دے مثلاً: یوں کہے "خالعتک""میں نے تجھ سے خلع کی"تو عورت کو چاہیے کہ وہ اس کے جواب میں کہے قبلت (میں نے قبول کی)۔ اگر عورت نے قبول کے الفاظ نہیں کہے تو صرف مرد کے خلع کرنے سے خلع واقع نہ ہوگی۔[12] اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح باقی معاملات ایجاب و قبول کے ذریعے منعقد ہوتے ہیں خلع بھی ایجاب و قبول ہی کے ذریعے منعقد ہوگی۔ یہاں تک تو خلع کا معاملہ آسان ہے کیوں کہ یہ دونوں کی رضامندی سے انجام پا رہا ہے، البتہ اگر عورت تو خلع لینا چاہے مگر مرد اس سے انکاری ہو تو پھر اس مسئلے کا کیا حل ہے یہی اس مقالے کا موضوع ہے۔

شریعت مطہرہ نے جس طرح خاوند کو طلاق کا حق دیا ہے کہ اگر اس کا بیوی کے ساتھ نباہ ممکن نہ ہو تو اسے طلاق دے کر رشتہ زوجیت سے آزاد کر دے۔ اسی طرح بیوی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر اس کے لیے حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارنا دشوار ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ اپنے خاوند کو فدیہ دے کر اپنے آپ کو نکاح کے بندھن سے آزاد کروالے۔ عورت کو ملنے والے اس حق کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر خاوند کے کسی ظاہری یا باطنی عیب کی وجہ سے بیوی اس سے شدید نفرت کرنے لگے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہ رہے تو فدیہ کے طور پر عورت اپنا حق مہر خاوند کو واپس کر کے اس سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

---

[11] محمد امین ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ۵: ۸۶

[12] عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعة (بیروت: داراحیاء التراث العربی)، ۴: ۳۳۲

قدیم حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاکے نزدیک خلع کے ذریعے علیحدگی کے لیے میاں بیوی کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔[۱۳] فقہی اصطلاح میں نکاح کو ختم کرنے کے اس طریقے کو مباراۃ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔[۱۴] یعنی اس مسئلے میں تو اتفاق ہے کہ میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے کی گئی خلع منعقد ہو جاتی ہے البتہ جس مسئلے میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ اگر خاوند خلع پر آمادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا قاضی یا سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند کے قائم مقام بن کر اس نکاح کو ختم کرنے کا حکم صادر کرے؟ ذیل میں قرآن و سنت کی نصوص اور فقہا کی آرا کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں قاضی کو عورت کے حق میں خلع کی ڈگری جاری کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، جس پر فریقین کو عمل درآمد کرنا ہوگا۔ اس نتیجے کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہم نے اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ خلع سے متعلق جمہور فقہا کا موقف کیا رہا ہے اور ان کی آراء کن دلائل پر مبنی ہیں۔ مزید یہ کہ ان دلائل کا بھی ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جو پاکستان کے مروجہ قانون خلع کے خلاف اور اس کے حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ علما جو خلع کو خاوند کی مرضی سے مشروط کرتے ہیں، جمہور فقہا کی رائے کو اپنے دلائل کے حق میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مالکی رائے کو جدید قانون خلع کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ دونوں نقطہ ہائے نظر کو بیان کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ قانون خلع جس میں عورت کو حق مہر کی واپسی کے بدلے نکاح سے آزاد کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے ، بھی شرعی اصولوں کے مطابق ہے اور عصر حاضر کے اجتہادات کی روشنی میں اس بات کی پوری گنجائش موجود ہے کہ قاضی کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ خلع کے معاملے میں حق مہر کی واپسی کے بعد فسخ نکاح کا حکم صادر کرے۔ قاضی کے ایسے حکم کی مالکی فقہ میں تو شروع ہی سے گنجائش موجود رہی ہے البتہ حنفی فقہ میں بھی عصری اجتہاد کے پیش نظر اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

---

[۱۳] أبی بکر محمد بن احمد بن أبی سھل السرخسی، **المبسوط** (مصر: مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۴ھ)، ۶: ۱۷۳؛ ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی، **المنتقی** (بیروت: دارالکتاب العربی، ۱۳۳۲ھ)، ۷: ۶۱؛ ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی، **المھذب** (القاہرہ: عیسی البابی الحلبی، ۱۳۷۶ھ)، ۲: ۷۱؛ موفق الدین أبی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد ابن قدامہ، **المغنی**، (بیروت: دارالمنار، ۱۳۶۷ھ)، ۷: ۵۲

[۱۴] ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۵: ۹۲

خلع اور جمہور فقہا کا نقطہ نظر:

جمہور فقہا(حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ) کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خلع کے نفاذ کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے جس کے بغیر خلع نافذ نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں پہلی دلیل یہ آیت ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ط [15]

"اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاو، اور ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر مقرر کیا ہو اس کا نصف ہے، مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں **الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** ط کی تفسیر حضور اکرم نے "شوہر" سے فرمائی ہے۔

چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ولی عقدة النكاح الزوج [16]

"حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کی گرہ کا ولی شوہر ہے۔"

اسی طرح علامہ آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ایک مرفوع حدیث بحوالہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی سندِ حسن کے ساتھ ذکر کی ہے جس میں یہی فرمایا گیا ہے کہ **الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** ط سے مراد "شوہر" ہے [17] یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے جن میں رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ [18]

---

[15] البقرۃ: ۲۳۷

[16] الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، **سنن الدار قطنی**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۳۹۸ھ)، ۴: ۲۷۹

[17] ابی الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی، **روح المعانی**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۲: ۱۵۴

[18] الآلوسی، **روح المعانی**، ۱: ۵۴۷

تفسیر کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے بیان کی ہے وہی سب سے زیادہ قوی، مستند اور واجب التعمیل ہوتی ہے، کیوں کہ قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ہی اس کی مراد کو صحیح طور پر سمجھا سکتے ہیں۔ لہذا اس اصول کی روشنی میں کوئی اور تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

مشہور مفسر قرآن قاضی ابو السعود (م ۹۸۲ھ) نے **الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ** ؕ سے شوہر مراد لینے پر اسی آیت کے اگلے جملے سے استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے متصل اللہ تعالی کا یہ ارشاد **وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی** ؕ (اور اگر تم رعایت کردو تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے، کیوں کہ اگر **الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ** ؕ سے مراد عورت کا ولی ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورت کا ولی عورت کی اجازت کے بغیر اس کا حق مہر معاف کر سکتا ہے اور یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے، حالانکہ یہ کسی بھی اعتبار سے تقوی کے قریب نہیں ہو سکتا۔[19]

آیت کی صحیح مراد اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب اس کا مخاطب شوہر کو قرار دیا جائے کہ شوہر عورت کو آدھا مہر دینے کی بجائے پورا مہر دے دے تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے، کیوں کہ وہ اس کو اپنا حق چھوڑ رہا ہے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ کیا **الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ** ؕ سے مراد عورت کے اولیاء ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس سے شوہر مراد ہے۔[20] اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے اس لیے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا یا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند ہی کے اختیار میں ہے۔[21] لہذا جب تک خاوند راضی نہ ہو خلع نافذ نہ ہو گی۔

دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ[22]

"اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے، اور اللہ تعالی زبردست ہیں حکیم ہیں۔"

---

[19] قاضی ابو السعود، **تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم**، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، س ن)، ۱: ۱۷۹

[20] حافظ عبد الرحمٰن بن محمد بن ابن ابی حاتم، **تفسیر ابن ابی حاتم**، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، صیدا، ۱۴۱۹ھ)، ۲: ۸۴۲

[21] عماد الدین أبی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، **تفسیر ابن کثیر**، (الریاض: دار السلام، ۱۴۱۹ھ)، ۱: ۳۹۷

[22] البقرۃ: ۲۲۸

اس آیت میں وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ کے الفاظ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں کے مقابلے میں ایک درجہ زیادہ اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ (م۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) لکھتے ہیں: عورت کو طلاق دینے پر شوہر کو قدرت حاصل ہے اور جب وہ اسے طلاق دے دے تو پھر اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے، لیکن اس کے برخلاف عورت نہ تو شوہر کو طلاق دے سکتی ہے اور نہ ہی رجوع کر سکتی ہے اور نہ شوہر کو رجوع کرنے سے روک سکتی ہے۔[۲۳]

اسی طرح علامہ ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء) کے حوالے سے امام قرطبی لکھتے ہیں له رفع العقد دونها[۲۴] یعنی نکاح ختم کرنے کا اختیار مرد کو ہے نہ کہ عورت کو۔ لہٰذا بذریعہ خلع نکاح ختم کرنے کے لیے مرد کی رضامندی ضروری ہے۔

سورہ البقرۃ کی اس آیت سے بھی خلع کے لیے خاوند کی رضامندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ[۲۵]

"اور تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ اس مال میں سے کچھ لو جو تم نے ان (عورتوں) کو دیا ہے، مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ وہ اللہ تعالی کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے، پھر اگر (اے حُکام) تم کو یہ احتمال ہو کہ وہ اللہ تعالی کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا جس کو بطور فدیہ دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔"

اس آیت میں موجود چند جملے ایسے ہیں جن پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ خلع کی صورت میں میاں بیوی کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ ان میں سے پہلا جملہ اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ ہے۔ اس میں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا خوف میاں بیوی دونوں کو لاحق ہونے کی وجہ سے تثنیہ کا صیغہ لایا گیا ہے، گویا دونوں اس وجہ سے خلع کرنا چاہتے ہیں۔

---

[۲۳] فخر الدین محمد بن عمر الرازی، تفسیر کبیر، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۵۰ھ)، ۲: ۲۴۷

[۲۴] ابی عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ)، ۳: ۱۲۵

[۲۵] البقرۃ: ۲۲۹

دوسرا جملہ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا** ہے۔ جس سے ایک شبہ کا ازالہ ہوتا ہے مثلاً: مرد اور عورت کو یہ شبہ لاحق ہوسکتا ہے کہ عورت کے لیے پیسے دے کر طلاق لینا اور مرد کے لیے پیسے وصول کر کے طلاق دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس جملے سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ خلع کے لین دین میں زوجین پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ورنہ اگر یک طرفہ کارروائی ہو کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت کے حق میں خلع کی ڈگری جاری کر دی جائے تو پھر **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا** کا مفہوم بے معنی ہو جاتا ہے۔

تیسرا جملہ **فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ** ہے۔ علامہ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰ء) کی رائے میں: اللہ تعالیٰ کا خلع کا نام فدیہ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں میاں بیوی کی رضامندی کو شرط قرار دیا ہے۔[۲۶]

ان تینوں جملوں کے درمیان **فَإِنْ خِفْتُمْ** کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ خطاب حکام ہی کو ہو تو اس صورت میں بھی زوجین کی رضامندی پر ان کے مابین وہ خلع کرائیں گے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں جمہور فقہا نے خلع کو زوجین کی رضا مندی پر موقوف کیا ہے۔ امام سرخسیؒ (م ۴۸۳ھ / ۱۰۹۶ء) کے قول کے مطابق حاکم کے پاس بھی خلع جائز ہے اور اس کے سوا بھی، کیوں کہ یہ ایک ایسا عقد ہے کہ جس کی ساری اساس زوجین کی باہمی رضامندی پر ہے۔[۲۷]

علامہ ابو اسحاق شیرازیؒ (م ۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء) کے الفاظ میں خلع عقد نکاح کو باہمی رضامندی سے ختم کرنے کا نام ہے جو دفع ضرر کے لیے مشروع ہوا ہے۔[۲۸]

ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء) کہتے ہیں کہ خلع عقد معاوضہ ہے جس کے لیے بیع اور نکاح کی طرح حاکم کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ خلع عقد نکاح کو باہمی رضامندی سے ختم کرنے کا نام ہے، لہذا یہ اقالہ (فسخ بیع) کے مشابہ ہے۔[۲۹]

---

[۲۶] شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم، **زادالمعاد**، (مصر: المطبعۃ المیمنیۃ، ۱۳۲۴ھ)، ۲: ۲۳۸

[۲۷] السرخسی، **المبسوط**، ۶: ۱۷۳

[۲۸] ابو اسحاق الشیرازی، **المھذب**، ۲: ۷۱

[۲۹] ابن قدامہ، **المغنی**، ۷: ۵۲

علامہ ابن حزمؒ (م۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء) کے نزدیک عورت جب اپنے شوہر کو ناپسند کرے اور اسے اس بات کا ڈر ہو کہ وہ اس کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کر سکے گی، یا اس بات کا ڈر ہو کہ اس سے شوہر نفرت کرے گا اور اس کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کرے گا، تو عورت کو اختیار ہے کہ شوہر کی رضامندی کے ساتھ وہ اسے کچھ فدیہ دے کر اس سے طلاق لے لے۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو اس بارے میں نہ تو اسے مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عورت کو، کیوں کہ خلع باہمی رضامندی سے ہی ممکن ہے، مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے پائے جانے کی صورت میں ہی خلع جائز ہوگی۔ اگر ان دو صورتوں کے سوا خلع وقوع پذیر ہو تو وہ باطل ہوگی اور عورت سے جو مال مرد نے لیا ہے وہ اسے واپس کرنا پڑے گا۔ اور وہ عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی جیسا کہ پہلے تھی اور مرد کی طلاق باطل ہوگی اور اس کو صرف عورت پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا۔[۳۰]

جمہور کا موقف اور دلائل ذکر کرنے کے بعد اب ہم بعض دوسرے مفسرین اور فقہائے مالکیہ کا موقف اور اس کی روشنی میں ہونے والے عصری اجتہاد کا جائزہ لیتے ہیں:

بعض مفسرین اور مالکیہ کا موقف اور عصری اجتہاد

مفسرین کا موقف:

بعض مفسرین نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۷ (اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ ؕ) اور سورہ النساء کی آیت نمبر ۳۵ (فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ۚ) کی تفسیر کرتے ہوئے صحابہ اور تابعین کے اقوال ذکر کیے ہیں جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نکاح کی گرہ عورت کے ولی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نکاح کو خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی ختم کیا جاسکتا ہے جس کی ایک صورت خلع ہے۔ لہٰذا جب عورت مرد کے اپنی رضامندی سے طلاق دینے سے انکار کرنے پر عدالت سے خلع کے لیے رجوع کرتی ہے تو ایسی صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی خلع نافذ ہوسکتی ہے۔ اسی طرح سورہ نساء کی آیت کی روشنی میں میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کی صورت میں حکمین کا فیصلہ بھی خاوند کی رضامندی کے بغیر نافذ العمل ہوگا چاہے وہ فیصلہ صلح پر مبنی ہو یا جدائی پر۔

---

[۳۰] ابو محمد علی بن احمد ابن حزم، المحلی بالآثار، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۸ھ)، ۱۰: ۲۳۵

سورہ البقرہ کی آیت الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ سے متعلق امام فخر الدین رازی (م۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔ اس قول کے قائلین: حضرت علی، سعید بن مسیب، اور بہت سے صحابہ اور تابعین ہیں، اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی موقف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ولی ہے۔ اس قول کے قائلین: حضرت حسن، مجاھد، علقمہ، اور شوافع ہیں۔[۳۱]

جو علما اس آیت کا مصداق شوہر کو سمجھتے ہیں ان کے پیش نظر اولاً یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی زیر سرپرستی بچی کو مہر ہبہ کرے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی لہذا اس آیت سے ولی مراد لینا ممکن نہیں۔ دوسرا یہ کہ جو چیز ولی کے ہاتھ میں ہے وہ نکاح کا عقد ہے نہ کہ عقدہ، جو عقد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب ولی عقد کر دیتا ہے تو اس کے بعد عقدہ حاصل ہوتا ہے جو شوہر کے قبضے میں ہوتا ہے نہ کہ ولی کے۔ اور آیت میں عقدہ کا ذکر ہے نہ کہ عقد کا۔

نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہونے کے موقف کے حق میں تیسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ میں اس فرد کا ذکر ہے جس کے قبضے میں اپنے ثابت شدہ نکاح کی گرہ ہے نہ کے غیر کے نکاح کی۔ یعنی اس سے مراد شوہر ہی ہے کیوں کہ نکاح اس کے لیے ثابت ہے نہ کے ولی کے لیے کیوں کہ ولی تو نکاح کروانے والا ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک عورت سے شادی کی پھر اس کو ہم بستری سے پہلے طلاق دے دی اور اس کو پورا مہر دے دیا پھر فرمایا: میں معاف کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام اس آیت میں مذکور عفو سے وہ معاف کرنا مراد لیتے جو شوہر کی طرف سے صادر ہوتا ہے۔[۳۲]

دوسرا قول جس میں مذکورہ آیت کا مصداق ولی کو قرار دیا جاتا ہے، کے قائلین کے دلائل اور جمہور کے دلائل کا رد بھی امام رازی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت کا مصداق ولی کو قرار دینے کے حق میں پہلی

---

[۳۱] فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، ۶: ۴۷۹

[۳۲] نفس مصدر، ۶: ۴۸۰

دلیل یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے جو چیز صادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر عورت کو پورا مہر دیتا ہے جو کہ ہبہ ہوتا ہے اور ہبہ کو عفو کا نام نہیں دیا جاتا یعنی اس کو معاف کرنا نہیں کہتے۔ جب کہ قرآن کریم میں عفو کا لفظ آیا ہے۔

دوسری دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کا مصداق ولی ہے یہ ہے کہ شوہر کا ذکر اسی آیت کے پہلے حصے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ میں ہو چکا ہے۔ اگر اَوْيَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ سے مراد شوہر ہوتا تو بجائے غائب کے مخاطب کا صیغہ ذکر ہوتا اور یوں کہا جاتا اَوْ تَعْفُوَا ،لہذا جب ایسا نہیں کیا گیا اور غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد شوہر نہیں ہے۔

آیت کا مصداق ولی ہونے پر تیسری دلیل یہ ہے کہ شوہر کے قبضے میں نکاح کی گرہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر عورت کے لیے اجنبی تھا اور اسے عورت پر تصرف کا بالکل اختیار حاصل نہیں تھا تو لامحالہ اس کے نکاح کرنے پر بھی اس کو قدرت حاصل نہیں ہو گی۔

جب کہ عقد نکاح کے بعد نکاح کا عمل تو مکمل ہو گیا البتہ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اب خاوند اس عورت کے نکاح کا انجام دینے والا کہلائے گا، بلکہ وہ تو ولی ہے جس نے اس نکاح کو انجام دیا۔ لہذا نکاح کی گرہ ولی کو حاصل ہو گی نہ کہ شوہر کو۔ اور اس آیت میں اللہ تعالی نے عفو کو اس شخص سے منسلک کیا ہے جس کے قبضے اور قدرت میں نکاح کی گرہ ہے یعنی ولی۔ لہذا جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ شوہر کو نکاح کرانے پر قدرت حاصل نہیں تھی تو یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ الذي بيده سے مراد شوہر نہیں ہے۔

قول اول کے قائلین کے دلائل کا جواب:

جن اصحاب نے اس آیت کا مصداق شوہر کو قرار دیا ہے ان کے دلائل کا رد بھی تفسیر کبیر میں ملتا ہے۔
پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف کبھی تو براہ راست ہوتی ہے اور کبھی کسی سبب سے اور یہ بات ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے معاملات و مصالح میں اولیا کی باتوں کو ترجیح دیتی ہیں خاص طور پر شادی کے تمام تر معاملات میں عورت خود غور و خوض کرنے کی بجائے ان کو مکمل طور پر اولیا کے سپرد کرتی ہے۔ اس بنا پر عفو کا حصول ولی کے اختیار اور کوشش سے ہو گا اس وجہ سے عفو کو اولیا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہونے پر دوسری دلیل یہ دی گئی تھی کہ مذکورہ آیت میں عقدہ کا ذکر ہے، جو نکاح کے بعد حاصل ہوتا ہے، نہ کہ عقد کا جو نکاح کرنے کا عمل ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ عقدۃ

سے کبھی عقد بھی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ [۳۳] "عورتوں سے ان کی عدت کے دوران عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو۔" اس بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ "عقدۃ" عقد کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے لیکن ابتدا میں عقد نکاح ولی کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو عقد کے نتائج و آثار کے اعتبار سے عقدۃ النکاح بھی ولی کے ہاتھ میں ہوگا۔

آیت کا مصداق شوہر کو گردانتے پر تیسری دلیل یہ تھی کہ آیت میں شوہر کے اپنے نکاح کا ذکر ہے کہ کہ کسی اور کے نکاح کا۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ بِيَدِهٖ سے مراد لازمی طور پر شوہر کا اپنا نکاح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلان فی یدہ الامر والنهي والرفع والخفض تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو حکم دے یا اپنے آپ کو کسی کام سے روکے یا اپنے بارے میں کوئی مسئلہ اٹھائے یا اپنا کوئی مسئلہ حل کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کو حکم دے رہا ہے یا منع کر رہا ہے وغیرہ، یعنی اس کے ہاتھ میں دوسرے کا معاملہ ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔

امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء) لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جمہور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ سے یا تو شوہر مراد ہے یا ولی۔ اور اسے شوہر پر اس لیے محمول نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اسے نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ اختیار ولی کے پاس ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت کا مصداق لامحالہ ولی ہی ہوگا۔

جب ولی مراد لینا ثابت ہو گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ آیت بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ ؕ ولی کے حق میں حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ اس لیے جب یہ کہا جاتا ہے کہ بیدہ الامر والنهي تو اس کا معنی ہوگا کہ معاملہ ولی ہاتھ میں ہے نہ کے غیر کے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ولی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے نہ کے اس کے غیر کے ہاتھ میں۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح کی گرہ عورت کے ولی کے ہاتھ میں ہے تو اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ نکاح کی یہ گرہ عورت کے ہاتھ میں بھی ہے اور یہی مطلوب ہے۔ [۳۴]

---

[۳۳] البقرۃ:۲۳۵

[۳۴] فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، ۶: ۴۷۹-۴۸۱

سورہ نساء کی آیت وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ[35] کی تفسیر کرتے ہوئے امام طبریؒ (م ۳۱۰ھ/۹۲۳ء) لکھتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس آیت میں خطاب سلطان کو ہے۔[36] یعنی حاکم وقت کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر تم ناچاقی دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ ان کے مابین اصلاح کی غرض سے دونوں طرف کے خاندانوں میں سے ایک ایک حکم بلاو۔ امام جصاصؒ (م ۳۷۰ھ/۹۸۰ء) لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب مرد وعورت دونوں ہیں۔[37]

لیکن زیادہ درست بات یہ ہے کہ اِنْ خِفْتُمْ میں خطاب حکام سے ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم جس معاشرے میں نازل ہو رہا تھا اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اس وقت قبیلوں کے سردار اپنے اپنے افراد کے تنازعات کے فیصلے کیا کرتے تھے، باقاعدہ کوئی محکمہ قضا قائم نہیں تھا۔ لہٰذا اس آیت سے اولاً قبائلی سردار اور ثانیاً حکام مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ اور مجاھد فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں ان یریدا اصلاحا سے حکمین کا ارادہ مراد ہے۔ یعنی دونوں حکم اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دے گا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد زوجین ہیں کہ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں اور ثالثوں کو صحیح صحیح بات بتادیں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔[38]

حکمین میاں بیوی کے خاندان میں سے ہوں تو یہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ وہ زوجین کے معاملات زیادہ جاننے والے اور ان پر مہربان ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ دونوں میاں بیوی کے خاندان سے نہ بھی ہوں تب بھی جائز ہے، کیوں کہ قرابت داری تحکیم اور وکالت میں شرط نہیں ہے۔ حکمین کا میاں بیوی کے خاندان سے ہونے کا جو حکم ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔[39]

---

[35] النساء: ۳۵

[36] أبي جعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر طبری، (قاہرہ: المطبعۃ الامیریہ، ۱۳۲۳ھ)، ۸: ۳۱۸

[37] أبي بکر احمد بن علی الرازی الجصّاص الحنفی، احکام القرآن، (بیروت: مکتبہ الغزالی، ۱۲۱۰ھ)، ۲: ۲۳۲

[38] القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵: ۷۹، ۱۷۵

[39] ابن قدامہ، المغنی، ۷: ۱۷۱

حکمین کا دائرہ اختیار کیا ہے؟

فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حکمین صرف اصلاح کرنے پر مامور ہیں یا کہ میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی کوشش ناکام ہونے کی صورت میں ان میں تفریق کر دینے کے بھی مجاز ہیں؟

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حکمین کا کام اصلاح کرنا ہے انھیں تفریق کا اختیار حاصل نہیں، البتہ اگر میاں بیوی انھیں یہ اختیار دے دیں تو پھر وہ تفریق کرا سکتے ہیں۔

اس قول کے قائلین تابعین میں سے حسن بصری، عطاء، قتادہ، اور امام ابو حنیفہ ہیں۔ امام شافعی کا قول ثانی اور امام احمد ابن حنبل کی ایک روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اسی طرح ظاہریہ اور شیعہ امامیہ بھی اسی مسلک کے پیرو ہیں۔ [۴۰]

دوسرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ زوجین کے مابین اصلاح نہ ہوسکنے کی صورت میں حکمین کو ان کے درمیان تفریق کرا دینے کا اختیار حاصل ہے۔ اس قول کے قائلین سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، امام شعبی، امام مالک اور امام اوزاعی ہیں۔ نیز امام شافعی کا قول اول اور امام احمد ابن حنبل کی دو روایتوں میں سے ایک روایت اس کے موافق ہے لیکن امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کا صحیح قول یہی ہے کہ حکمین کو تفریق کا حق بلا اختیار حاصل نہیں ہے۔

زرقانی شرح موطا امام مالک میں حکمین کے بارے میں امام مالک سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب نے فرمایا کہ وہ حکمین جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے **وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا** والی آیت میں کیا ہے انہیں اختیار ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو زوجین میں صلح کرا دیں اور اگر صلح ممکن نہ ہو تو انہیں میاں بیوی کے مابین تفریق کا اختیار بھی حاصل ہے اور حکمین کا ایسا فیصلہ زوجین پر نافذ ہو گا۔

امام مالک (م۱۷۹ھ) سے مروی ہے کہ " میں نے اہل علم سے سنا ہے کہ یہ بات احسن ہے کہ حکمین کا میاں بیوی کے درمیان جدائی یا صلح سے متعلق فیصلہ نافذ العمل ہو گا"۔ [۴۱]

---

[۴۰] ابو بکر الجصّاص **احکام القرآن**، ۲: ۲۳۳؛ علاء الدین أبي الحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلی، **الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ)، ۸: ۲۸۰؛ ابن حزم، **المحلی بالآثار**، ۱۰: ۸۷؛ سید حسین طباطبائی بروجردی، **جامع احادیث الشیعۃ**، (ایران: قم، المہر، ۱۴۲۲ھ)، ۲۱: ۲۸۵

[۴۱] عبد الباقی بن یوسف الزّرقانی، **زرقانی شرح موطا امام مالک**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ)، ۴: ۱۳۳

امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: حکمین اگر زوجین کی علیحدگی اور میل ملاپ میں سے کسی ایک حکم پر اتفاق کر لیں تو ان کا حکم جائز ہو گا۔[۴۲]

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) "فتح الباری" میں لکھتے ہیں کہ جب اس آیت کے مخاطب حکام ہیں تو ان کا زوجین کی طرف حکمین کو بھیجنا ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ میاں بیوی کو ملا دیں یا جدا کر دیں۔[۴۳]

بعض لوگ حکمین کو وکیل قرار دیتے ہیں کہ جس طرح وکیل از رائے خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک مؤکل کی رضامندی شامل نہ ہو اسی طرح حکمین بھی زوجین کی رضامندی کے بغیر فیصلہ صادر نہیں کر سکتے۔ اس پر رد کرتے ہوئے حافظ ابن قیم زاد المعاد میں رقم طراز ہیں کہ "یہ بات انتہائی قابل تعجب ہے کہ بعض لوگ حکمین کو وکیل قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالی نے دونوں کو حکم قرار دیا ہے۔ اگر یہ وکیل ہوتے تو اللہ تعالی فرماتا فلیبعث وکیلا من اھلہ ولتبعث وکیلا من اھلھا نیز اگر وہ وکیل ہوتے تو میاں بیوی کے خاندان میں سے ہونے کی ان کے لیے کوئی تخصیص نہ ہوتی۔ وکیل کو حکم کہنا نہ تو لغت قرآن کی رو سے درست ہے، نہ شارع کی زبان میں ایسا ہے، نہ عرف عام کی رو سے اور نہ ہی عرف خاص کی رو سے حکم کو وکیل کہا جاتا ہے۔"[۴۴]

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں بھی حکم کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا اور اگر حکم میاں بیوی میں تفریق کا حکم صادر کرتا ہے تو مرد پر اس حکم کی تعمیل واجب ہو گی۔ مزید یہ کہ آیت میں حکام کو جو خطاب کیا گیا ہے وہ قاضی کے حق میں بھی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ قاضی سلطان کا نائب تصور کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے عدالتی تفریق کا حکم نافذ العمل ہو گا اگرچہ اس میں خاوند کی رضامندی شامل ہو یا نہ ہو۔ اسی نقطہ نظر کو مالکیہ نے مزید واضح کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

---

[۴۲] ابن جریر، تفسیر طبری، ۸: ۳۲۴

[۴۳] حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الشقاق، (الریاض: دار السلام، ۱۴۱۸ھ)، ۹: ۵۰۵

[۴۴] ابن قیم، زاد المعاد، ۴: ۳۳

مالکی موقف:

مالکی فقہ میں طلاق اور خلع کا معاملہ اگر عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت زوجین کی رضامندی کے بغیر بھی اپنا فیصلہ صادر کر سکتی ہے اور ایسا فیصلہ مکمل طور پر نافذ العمل ہو گا۔[45] علامہ ابن رشد (م۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء) کے نزدیک عورت کا حق خلع، مرد کے حق طلاق کے مقابل ہے۔لہذا جب عورت کی جانب سے مرد کو کوئی تکلیف ہو تو اس کے پاس طلاق کا اختیار ہے، اسی طرح مرد کی طرف سے جب عورت کو کوئی تکلیف ہو تو اسے خلع کا اختیار دیا گیا ہے۔[46] البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خاوند کا یہ اختیار مطلق ہے اور وہ اسے جب چاہے خود سے استعمال کر سکتا ہے، جب کہ عورت کا یہ اختیار خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں بعض حدود و قیود کے ساتھ ہے جیسا کہ مہر کی واپسی اور حکم یا عدالت کے ذریعے خلع کا نفاذ۔

جب کسی عورت کے لیے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ عدالت کا رخ کرے تو سب سے پہلے عدالت کو چاہیے کہ وہ یہ طے کر لے کہ میاں بیوی میں سے اختلاف کا سبب کون بن رہا ہے، جب یہ طے ہو جائے تو پھر وہ ان دونوں میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کرے، اگر مفاہمت ممکن نہ ہو تو عدالت ازخود ان کے نکاح کو ختم کر سکتی ہے۔[47] اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر عدالت تحقیق و تفتیش کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ غلطی بیوی کی ہے تو پھر عدالت عورت کو مہر واپس کرنے کا حکم دے کر خلع کا فیصلہ کرے گی۔اور اگر شوہر کی غلطی ثابت ہو جائے تو اس صورت میں عدالت طلاق کے ذریعے نکاح ختم کرے گی اور پہلے سے مہر کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو مہر ادا کرنے کا حکم صادر کرے گی۔

اگر عدالت باوجود تحقیق و تفتیش کے کسی حتمی نتیجے پر نہ پہنچ سکے کہ میاں بیوی میں سے کون خطا پر ہے، تو پھر عدالت اس معاملے کی چھان بین کے لیے دو عادل اور معاملہ فہم حکمین (دو ثالث) مقرر کرے گی جن میں سے ایک عورت کے خاندان سے اور دوسرا اس کے خاوند کے خاندان سے نمائندگی کرے گا۔یہ دونوں ثالث معاملے پر غور و خوض کریں گے پھر زوجین کے مابین صلح اور تفریق میں سے جو مناسب سمجھیں گے میاں بیوی کی

---

[45] أبو القاسم محمد بن أحمد ابن جزی الکلبی، **التسهيل لعلوم التنزيل**، (بیروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، ۱۴۱۶ھ)، ۱: ۱۹۱

[46] أبي الوليد محمد بن احمد ابن رشد القرطبي، **بداية المجتهد**، (بیروت: دار المعرفة للطباعة والنشر س ن)، ۲: ۸۱

[47] أبو عمر يوسف بن عبد الله ابن عبد البر المالكي، **الكافي في فقه اهل المدينة**، (الرياض: مكتبة الرياض الحيثية، ۱۴۰۰ھ)، ۲: ۵۹۶

رضامندی اور حکومت کی موافقت یا مخالفت کی پرواکیے بغیر اپنا فیصلہ صادر کریں گے، لہٰذا ان ثالثوں کا طلاق یا خلع کی صورت میں ہونے والا جو بھی فیصلہ ہو گا وہ شوہر کی رضامندی کے بغیر نافذ ہو جائے گا۔[۴۸]

علامہ ابن عبد البر مالکی (م ۴۶۳ھ) نے آیت خلع سے استدلال کرتے ہوئے ایک اور صورت بیان کی ہے: وہ لکھتے ہیں کہ میاں بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حاکم کے پاس جانے کی بجائے ازخود حکمین کا انتخاب کریں۔ پھر اگر ظلم وزیادتی شوہر کی جانب سے ہو تو ثالث ان دونوں کے مابین بلا کسی عوض تفریق کرائیں گے، لہٰذا حکمین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ طلاق کے بدلے بیوی سے کچھ مانگیں، لیکن ایک قول جواز کا بھی ہے کہ اگر ثالث شوہر کو بیوی سے کچھ دلانا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اگر قصور بیوی کا ہو تو اس صورت میں حکمین جو مناسب سمجھیں وہ بیوی سے لے کر شوہر کو دلائیں گے اور ان کے درمیان خلع کے ذریعے تفریق کرا دیں گے۔[۴۹]

جیسا کہ مقالہ کی ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے کہ پاکستان میں عورت کو خاوند کی اجازت سے قطع نظر خلع کا حق سب سے پہلے عدالت عالیہ لاہور کے ایک فیصلے اور پھر عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے ذریعے دیا گیا۔ ذیل میں ہم ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو ان عدالتوں کے جج صاحبان نے عدالت کے دائرہ اختیار اور عورت کے خلع کے حق کے ضمن میں بیان کیے ہیں۔ یہاں یہ بات مد نظر رہے کہ عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ نے اپنے فیصلوں میں قرآن و حدیث کی نصوص سے براہ راست استنباط کیا ہے اور یہ موقف پیش کیا ہے کہ عدالت کو بھی اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے۔

عصری اجتہاد یعنی قانون خلع کی تشریح نو:

۱۹۵۹ء میں لاہور کی عدالت عالیہ کے محترم جج صاحبان نے بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام نامی مقدمے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ عدالت قدیم فقہی مکاتب سے مختلف طرز عمل اپنا سکتی ہے۔ عدالت نے مزید رائے دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں ایک ایسے معاملے میں قرآن کی تشریح کا معاملہ در پیش ہے جس میں ہم فقہائے کرام کی آرا کے پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم پر قرآن کریم کی کسی آیت کا مفہوم واضح ہو جائے تو یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ

---

[۴۸] ابن جزی، **التسہیل لعلوم التنزیل**، ۱: ۱۹۱؛ ابو محمد عبد الوہاب بن علی الثعلبی المالکی، **کتاب التلقین فی الفقہ المالکی** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۵ھ)، ۱: ۱۳۱

[۴۹] ابن عبد البر، **الکافی فی فقہ اہل المدینۃ**، ۲: ۵۹۶

ہم اسی مفہوم کو نافذ کریں اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس بارے میں فقہائے کرام نے کیا کہا ہے۔ یہی فکر نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کی تشریح کے لیے بھی لاگو ہو گی۔ لہذا اگر عدالت تحقیق و تفتیش کے بعد اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ میاں بیوی حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ایسی صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر عدالت خلع کرا سکتی ہے۔[۵۰]

مقدمے کی سماعت کرنے والے بنچ کے ایک فاضل رکن جسٹس کیکاوس نے یہ موقف اختیار کیا کہ اللہ تعالی کے ارشاد فَإِنْ خِفْتُمْ میں خطاب بدیہی طور پر زوجین سے نہیں بلکہ حکومت وقت اور عدالتی حکام سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جج کے پاس مقدمہ اسی وقت پیش کیا جاتا ہے جب عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہو اور شوہر انکاری ہو، چنانچہ جج نے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اگر زوجین کے مابین نکاح برقرار رکھا جائے تو یہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہ سکیں گے یا نہیں؟ لہذا یہ بات بے مقصد ہو گی کہ اگر کوئی مقدمہ جج کے سامنے تصفیہ کے لیے پیش کیا جائے اور اس کے پاس اس کو حل کرنے کا اختیار بھی نہ ہو۔[۵۱]

بنچ کے ایک دوسرے معزز رکن جسٹس محمد یعقوب علی نے فیصلے میں اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے ہمیں کوئی فیصلہ نہیں ملتا تو قاضی انفرادی استدلال کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں قاضی کو استحسان اور استصلاح جیسے فقہی قواعد اور انصاف کے اصولوں اور شعور سے راہنمائی ملے گی۔[۵۲]

جسٹس انوار الحق اس مسئلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قدیم فقہائے کرام کی آرا کو نہایت احترام سے دیکھا جائے گا لیکن دور حاضر کی عدالتوں کو ان کی آرا سے اختلاف کا حق حاصل ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس انکار سے نہ صرف یہ کہ اسلام کی روح کی نفی ہو گی بلکہ ججوں کی آئینی اور قانونی ذمہ

[۵۰] بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام، (لاہور: پی ایل ڈی، ۱۹۵۹ء)، ۵۶۶؛ مسماۃ خورشید جان بنام فضل داد، (لاہور: پی ایل ڈی، ۱۹۶۴ء، ڈبلیو پی)، ۵۵۸

[۵۱] بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام، پی ایل ڈی، ۱۹۵۹ء، لاہور، ۵۶۶

[۵۲] ایضاً، ۵۹۹

داریوں کی بھی نفی ہو گی، جس کی بنا پر ان سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے پاس آنے والے مقدمات میں قانون کی تشریح کریں گے۔[۵۳]

اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں عدالت عظمی کے جج صاحبان جن میں جسٹس ایس اے رحمان بھی شامل تھے، انھوں نے بھی خورشید بیگم بنام محمد امین نامی مقدمے میں وہی نقطہ نظر اختیار کیا جس سے یہ لازم آتا ہے کہ خلع کے مسئلے میں شوہر کی رضامندی ضروری نہیں۔[۵۴] جسٹس ایس اے رحمان نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**[۵۵] "اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق"۔ ایس اے رحمان کی رائے میں جس طرح عورت کی رضامندی کے بغیر مرد کو طلاق کا قانونی حق دیا گیا ہے، اسی طرح مرد کی رضامندی کے بغیر عورت کو بھی خلع کا قانونی حق ملنا چاہیے۔[۵۶]

عدالت نے آیت خلع کی تفسیر و تعبیر میں مفسرین کرام کی آرا سے ہٹ کر موقف اختیار کیا ہے۔ اسی طرح جمہور فقہائے کرام کی آرا سے صرف نظر کرتے ہوئے براہ راست قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی خود تشریح اور توضیح کی ہے۔ احادیث کے معاملے میں عدالت نے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی جمیلہ بنت ابی بن سلول کے معاملے کو بطور معیار پیش کرتے ہوئے یہ موقف اپنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس کی رضامندی حاصل نہیں کی بلکہ قاضی کی حیثیت سے فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی: یارسول اللہ میں ثابت بن قیس پر دینداری اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں لگاتی، مگر یہ کہ مجھے ناشکری کا خوف ہے (یعنی میں یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان ہو کر اپنے خاوند کی ناشکری کروں) آپ نے فرمایا: کیا تم اس کا وہ باغ (جو اس نے

---

[۵۳] دیکھیے: رشیدہ بی بی بنام شہاب دین، پی ایل ڈی، ۱۹۶۰ء (ڈبلیو پی) لاہور، ۱۴۲ اور مسماۃ زہرا بی بی بنام ایس لطیف احمد منور، پی ایل ڈی، ۱۹۶۵ء، (ڈبلیو پی) اہور، ۶۹۵

[۵۴] خورشید بی بی بنام محمد امین، پی ایل ڈی، ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، ۹۷

[۵۵] البقرۃ: ۲۲۸

[۵۶] خورشید بی بی بنام بابو محمد امین۔ پی ایل ڈی، ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، ۱۱۴

تمہیں مہر میں دیا تھا) واپس کرتی ہو؟ وہ کہنے لگی جی ہاں، تو اس نے باغ واپس لوٹا دیا، جس پر آپ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ اس سے باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو تو ثابت نے اس کو جدا کر دیا۔[۵۷] عدالت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت ایک قاضی کے شوہر کی رضامندی حاصل کیے بغیر طلاق کا حکم جاری کر دیا تھا۔[۵۸]

سپریم کورٹ نے خورشید بی بی کے اس مقدمے میں فیصلہ کرتے وقت لاہور کی عدالت عالیہ کے دو مساوی بنچوں کے باہم متعارض فیصلوں میں سے بلقیس فاطمہ کیس میں دیے گئے فیصلے کو اختیار کیا ہے جس میں قرآن وحدیث سے اسی طرح براہ راست استدلال کیا گیا ہے۔[۵۹] سپریم کورٹ نے بھی سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۹ پر تبصرہ کرتے ہوئے فقہا کی تشریحات کو نظر انداز کرتے ہوئے قرار دیا کہ جب خاوند خلع کے ذریعے اپنی بیوی کے علیحدہ ہونے کے حق سے اختلاف کرتا ہے تو پھر لازمی طور پر معاملے کا فیصلہ ایک تیسرے فریق نے کرنا ہوتا ہے جو کہ ثالثوں کی مدد سے یا قاضی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت خلع کی کوئی بھی تشریح کی جائے وہ بیوی کو اس کے حقِ خلع کی افادیت سے محروم کر دے گی۔ کیوں کہ قرآن کے مطابق بیوی "اپنی ذات کا فدیہ دے کر آزادی حاصل کر سکتی ہے" جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کے یہ الفاظ بیوی کے لیے ایک آزاد حق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔[۶۰]

عدالت نے جہاں عورت کے اس حق کو تسلیم کیا ہے وہیں بیوی کے حقِ خلع پر کچھ حدود بھی عائد کی ہیں۔ عدالت کا کہنا ہے کہ "قرآنی شرط (فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ) ضرور پوری ہونی چاہیے کہ جب میاں بیوی کے لیے ہم آہنگی کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے اکھٹے رہنا ناممکن ہو گیا ہو۔"[۶۱] لاہور کی عدالت عالیہ نے پہلے ہی بلقیس فاطمہ مقدمے میں یہ قرار دیا کہ: بیوی کے حقِ خلع پر ایک اہم حد موجود ہے۔ بذریعہ خلع فسخ نکاح اسی وقت کیا جائے گا جب جج یہ "اطمینان" کر لے کہ اب ان سے حدود اللہ کی پاس داری نہیں ہو گی، اور

---

[۵۷] أبي عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري، صحیح بخاری، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، (الرياض: دارالسلام، ۱۴۱۹ھ)، حدیث: ۵۲۷۶

[۵۸] بلقیس فاطمہ بنامِ نجم الاکرام قریشی، پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء لاہور، ۵۶۶، ۵۷۴، ۵۸۶

[۵۹] خورشید بی بی بنامِ بابو محمد امین۔ پی ایل ڈی، ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، ۹۷

[۶۰] نفسِ مصدر، ۱۱۷۔۱۱۸

[۶۱] نفسِ مصدر، ۱۲۱

باہمی تعلقات میں میاں بیوی اللہ کی اطاعت نہیں کریں گے اور ہم آہنگی پر مبنی ازدواجی حالت کا قیام اسلامی تصور کے مطابق ممکن نہیں ہے۔[۶۲]

جج کی طرف سے اطمینان کر لینے پر یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ ایسا "ادراک" یا "اطمینان" بنیادی طور پر جج کی ذاتی جانچ پرکھ ہے۔[۶۳] اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شواہد سے اس بات کی تائید ہوتی ہو کہ میاں بیوی حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے، اور اس نتیجے پر پہنچنے میں جج کی ذاتی رائے کا عمل دخل نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ لاہور کی عدالت عالیہ کے جسٹس جاوید اقبال نے عائلی عدالتوں کے لیے قانون کی وضاحت کرتے ہوئے قرار دیا کہ اگر عائلی عدالت کا جج اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ مفاہمت ممکن نہیں اور خاتون نکاح فسخ کرنے کے لیے مصر ہے اور ایسی صورت میں نکاح کو فسخ نہ کرنا اس کو شوہر کے ساتھ نفرت سے پر زندگی گزارنے پر مجبور کرنے کے مترادف ہے تو جج کو ایسا نکاح خلع کی بنیاد پر لازمی فسخ کر دینا چاہیے۔[۶۴] عائلی عدالت کے ججوں کے لیے 'اطمینان' اور 'ادراک' کا وہی معیار ہے جس کا اوپر ذکر ہوا کہ ان کے سامنے ایسے ناقابل تردید شواہد آجائیں کہ اگر ایسا نکاح ختم نہ کیا گیا تو مرد و عورت حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

جسٹس ایس اے رحمان کہتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ[۶۵] میں خطاب الوالامر اور حکام کو ہے اس پر انھوں نے فقہا اور مفسرین کے متعدد اقوال پیش کیے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر حکام اور عدالت اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ میاں بیوی حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو وہ بغیر شوہر کی رضامندی کے نکاح کو خلع کے ذریعے فسخ کر سکتے ہیں۔[۶۶]

---

[۶۲] بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام قریشی، پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء لاہور، ۵۹۳، ۵۶۶

[63] Lucy Carroll, "Quran 2:229: 'A Charter Granted to the Wife'? Judicial *Khul'* in Pakistan," *Islamic Law and Society*, 3:1 (1996), 110.

[۶۴] محمد یونس بنام عافیہ بی بی، پی ایل ڈی ۱۹۸۳ء لاہور، ۳۸۲، ۳۷۷

[۶۵] البقرۃ: ۲۲۹

[۶۶] خورشید بی بی بنام بابو محمد امین، پی ایل ڈی ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، ۱۹: ۱۱۶

اسی طرح خلع کو فسخ نکاح کہنے والوں کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے جسٹس ایس اے رحمان کہتے ہیں کہ: "اگر اس رائے کو قبول کرلیا جائے (کہ خلع فسخ ہے طلاق نہیں ہے) تو یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ خلع تنہا شوہر کی مرضی پر موقوف نہیں ہے۔"[۶۷]

مذکورہ بالا بحث سے یہ مسئلہ بھی سامنے آتا ہے کہ خلع کی نوعیت پر فقہی دلائل کا ایک جائزہ پیش کیا جائے۔ ذیل کی سطور میں خلع کی نوعیت، کہ آیا خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح، پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

اس بارے میں صحابہ کرام اور مجتھدین فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے کہ "خلع" کی شرعی حیثیت طلاق کی ہے یا فسخ نکاح کی؟ چناچہ بہت سے صحابہ کرام جن میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابر بن زیدؓ اور مجتھدین فقہائے کرام میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ وغیرہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ خلع طلاق ہے۔[۶۸] جب کہ دوسری طرف صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن عباس، طاوس، عکرمہ اور فقہائے کرام میں سے امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، ابو ثور اور داود ظاہری جیسے حضرات کا موقف یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، لہذا ان کے نزدیک خلع پر طلاق کے احکام مرتب نہیں ہوں گے، امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی تھا لیکن بعد میں انھوں نے دوسرا مذہب اختیار کرلیا۔[۶۹]

مرد کی طرف سے دی گئی پہلی اور دوسری طلاق اور عورت کی طرف سے خلع کی صورت میں حاصل کی گئی طلاق میں فرق ہے کہ پہلی صورت میں طلاقیں رجعی ہوتی ہیں اور مرد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ رجوع کرلے۔ جب کہ

---

[۶۷] نفسِ مصدر

[۶۸] أبی عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، **کتاب الأم**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۳ھ)، ۵: ۱۹۸؛ ابن رشد، **بدایۃ المجتھد**، ۲: ۶۹؛ ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدر المختار**، ۲: ۶۰۶؛ السرخسی، **المبسوط**، ۶: ۱۷۳

[۶۹] عماد الدین ابن کثیر، **تفسیر ابن کثیر**، ۲: ۲۷۵؛ ابن رشد **بدایۃ المجتھد**، ۲: ۶۹؛ امام شافعی، **کتاب الأم**، ۵: ۱۹۸؛ علاء الدین أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی، **بدائع الصنائع**، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، س ن)، ۳: ۱۴۵

دوسری صورت میں حاصل کی گئی طلاق بائن ہوتی ہے جس میں رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی البتہ دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ تیسری طلاق اور تیسری مرتبہ لی گئی خلع حکم کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں اور بائنہ مغلظہ کے زمرے میں آتی ہیں۔

لیکن جن حضرات نے "خلع" کو فسخ نکاح قرار دیا ہے، ان کے نزدیک خلع کے بعد اگر زوجین باہمی رضامندی سے نکاح جدید کرلیں تو شوہر کے پاس تین طلاقوں کا اختیار بدستور رہتا ہے، لہٰذا اب اس نکاح جدید کے دوران اگر خاوند دو طلاقیں دے دے تو یہ طلاقیں مغلظہ نہیں بلکہ رجعی ہوں گی، کیوں کہ پہلے نکاح کے بعد حاصل کی گئی خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔[70]

لیکن اس بات پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ خلع سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے، یعنی خلع کے بعد خاوند اس سے یک طرفہ طور پر رجوع نہیں کر سکتا، البتہ نئے سرے سے زوجین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے، صرف سعید بن مسیب اور ابن شہاب سے ایک روایت منقول ہے کہ: مرد اگر بیوی کی عدت کے دوران معاوضہ یعنی بدل خلع واپس کر دے تو پھر وہ یک طرفہ طور پر اس سے رجوع کر سکتا ہے، لیکن ان کے اس قول کو جمہور فقہا نے قبول نہیں کیا۔[71]

فقہائے احناف اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ نیت اور معاوضے کے بغیر بھی خلع کرنے سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ شافعیہ کا راجح ترین قول اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ "عورت طلاق کے عوض جو فدیہ دے اس کا انھیں کوئی گناہ نہیں۔"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ معاہدہ نکاح سے نکلنے کے لیے عورت مرد کو فدیہ دیتی ہے۔ اب اگر خلع کے ذریعے طلاق بائن واقع نہ ہو تو مرد کو عورت سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہو گا جس کی بنا پر عورت بدستور اس کے حکم اور قبضے میں رہے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلع کی مشروعیت کا مقصد عورت کے نقصان کا ازالہ ہے، جب کہ رجوع جائز ہونے کی صورت میں نقصان لوٹ آئے گا اور عورت کا مقصد حاصل نہ ہو گا۔[72]

---

[70] السرخسی، **المبسوط**، ۶: ۱۷۳

[71] ابن رشد، **بدایۃ المجتهد**، ۲: ۷۰

[72] ابوبکر الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۳: ۱۴۴، ۱۵۱؛ ابن رشد، **بدایۃ المجتهد**، ۲: ۶۹؛ ابو اسحاق الشیرازی، **المهذب**، ۲: ۷۲؛ منصور بن یونس بن ادریس البهوتی، **کشاف القناع**، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ)، ۵: ۲۴۱

حنابلہ کے نزدیک راجح روایت یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے ،کیوں کہ پہلے اللہ تعالی نے فرمایاالطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ "طلاق دوبار ہے" اس کے بعد فرمایا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ "عورت طلاق کے بدلے جو فدیہ دے اس کا انھیں کوئی گناہ نہیں"، پھر فرمایافَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "اگر شوہر اسے طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے اس کے بعد حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے کسی شوہر سے نکاح نہ کر لے۔" اس آیت میں اللہ تعالی نے پہلے دو طلاقوں کا ذکر کیا،اس کے بعد خلع کا ذکر کیا اور اس کے بعد ایک اور طلاق کا ذکر کیا۔اگر خلع بھی طلاق ہو تو پھر طلاقوں کی تعداد تین کی بجائے چار ہو جائے گی بایں طور کہ جس طلاق کے بعد حلالہ کیے بغیر عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی فسخ چوتھی طلاق ہو۔ خلع کے فسخ نکاح ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ طلاق کے صریح الفاظ اور طلاق کی نیت سے خالی ہوتی ہے اس لیے فسخ کی باقی اقسام کی طرح یہ بھی ایک طرح کا فسخ ہے۔

حنابلہ کی معتمد رائے میں قدرے تفصیل ہے۔ان کے نزدیک خلع کی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک صورت میں خلع طلاق بائن ہوتی ہے اور دوسری صورت میں فسخ نکاح۔ جس صورت میں خلع طلاق بائن ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خلع، لفظ خلع، فدیہ اور ان جیسے دیگر الفاظ یا طلاق کنایہ کے الفاظ کے ساتھ واقع ہو اور اس میں طلاق کی نیت بھی کی گئی ہو۔

اگر خلع اپنے اصل الفاظ مثلا خلع، فسخ یا فدیہ وغیرہ کے ذریعے ہو اور اس میں طلاق کی نیت نہ کی گئی ہو تو اس صورت میں یہ فسخ نکاح ہے جس سے طلاق کی تعداد کم نہیں ہوتی۔ لفظ مباراۃ کنایہ ہے، مثلا شوہر اپنی بیوی سے کہے:"میں نے تجھے ایک ہزار کے بدلے اپنے نکاح سے بری کر دیا،بیوی نے کہا مجھے قبول ہے، تو حنابلہ کے نزدیک نیت کے ساتھ خلع واقع ہو جائے گی اور حنفیہ کے نزدیک یہ خلع کی طرح ہے، اس کے ذریعے نیت کے بغیر طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔[٤٣]

[٤٣] ابن قدامہ، المغنی،٧: ٥٦-٥٩؛ مصطفى بن سعد بن عبده السيوطی غاية المنتهى، (المكتبۃ الاسلامی، ١٤١٥ھ) ،٣: ١٠١؛ البھوتی، کشاف القناع،٥: ٢٤١

نتائج بحث:

خلع عورت کا وہ حق ہے جس کو وہ صرف اس صورت میں استعمال کر سکتی ہے، جس وقت اس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتے ہوئے اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکے گی اس صورت میں یا تو وہ اپنے شوہر کو راضی کر کے اس کو کچھ مالی معاوضہ دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لے۔ خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں عورت خلع کے حصول کے لیے عدالت سے رجوع کرتی ہے۔ پاکستان میں موجود خلع کے قانون کی رو سے عورت کو بلا تردد خاوند کی رضامندی کے بغیر خلع کی ڈگری جاری کر دی جاتی ہے۔

اس مقالہ میں پاکستان کے اسی قانون کا از سر نو جائزہ پیش کیا گیا ہے اور عدالت کے اس حق پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے جس میں وہ خاوند کی عدم رضامندی کے باوجود عورت کو خلع کی ڈگری جاری کر سکتی ہے۔ اسی طرح مقالہ میں خلع کی نوعیت کہ آیا وہ طلاق ہے یا فسخ نکاح کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے اور دونوں صورتوں کے فقہی دلائل کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

پاکستان میں قانون خلع کا جائزہ پیش کرنے کے بعد خلع میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں جیسے اہم اختلافی مسئلے پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ایک جمہور فقہا کا موقف ہے جو خلع کے انعقاد کے لیے شوہر کی رضامندی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ دوسرا موقف بعض مفسرین اور مالکیہ کا ہے، جو خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں بھی خلع کے جواز کے قائل ہیں۔ دورِ حاضر میں مقاصد شریعت اور وقت کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے اسی دوسرے موقف کو اختیار کیا ہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں از سرِ نَو یہ اجتہاد کیا ہے کہ خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں، لہذا عورت کو یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری دی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم ابتدا میں ذکر کیے گئے سوال اور اخلاقی مخمصے کا جواب حاصل کر سکتے ہیں کہ ایسی عورتیں جنہوں نے خاوند کی عدم رضامندی کے باوجود بذریعہ عدالت خلع حاصل کر کے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی ہے وہ مکمل طور پر شرعی اصولوں کے مطابق ہے اور اس میں کسی قسم کی اخلاقی قباحت نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چند نقائص کے باوجود پاکستان کا قانون خلع مکمل طور پر اسلامی ہے اور شریعت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے۔ فروری ۲۰۲۲ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اپنے ایک حکم نامے کے ذریعے پنجاب فیملی کورٹ (ترمیمی) ایکٹ ۲۰۱۵ کی ذیلی دفعات ۵ اور ۶ کو خلاف شریعت قرار دیا ہے جس کی رو سے عدالت کو یہ

اختیار حاصل نہیں کہ وہ ادا کیے گئے مہر سے کم رقم پر خلع کا فیصلہ کرے۔[۴۷] اگرچہ اس فیصلے کا اثر کسی حد تک عدالتی اختیار پر پڑتا ہے لیکن جس بنیادی نقطے پر عدالت نے فیصلہ صادر کیا ہے وہ خلع کی صورت میں قابل واپسی مہر کی مقدار ہے نہ کہ عدالت کا خاوند کی رضامندی کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار۔

جس نقص کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قانون میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ خاوند کی عدم رضامندی کی صورت میں عدالت جو خلع کی ڈگری جاری کرے گی وہ فسخ نکاح کہلائے گی۔ اس سے ان علمائے کرام کا اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے جن کا مؤقف یہ ہے کہ "طلاق" کا حق صرف اور صرف خاوند کے پاس ہے۔DMMA میں بھی خلع کو واضح الفاظ میں شامل کر دیا جائے۔

ہم فریقین کا موقف دلائل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تتبع الرخص کے پیش نظر اگر خلع کے باب میں شوہر کی رضامندی کی عدم ضرورت پر مالکیہ کی رائے پر فتوی دیا جائے تو مقاصد شریعت کی روشنی میں یہ زیادہ مناسب اور موجودہ حالات کے پیش نظر ایک درست فیصلہ ہو گا۔

دوسرے مسئلے میں صحابہ کرام کے مابین بھی اختلاف رہا ہے اور فقہائے کرام کے مابین بھی ان میں سے بعض حضرات خلع کو طلاق کہتے ہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات اسے فسخ نکاح سے تعبیر کرتے ہیں، دونوں کے موقف کو دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سعی کو قبول فرما کر اس سے مستفید ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین

---

[۴۷] عمران انور خان بنام حکومت پنجاب، پی ایل ڈی ۲۰۲۲ء، ایف سی ۲۵